بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

تعلیم کی زبوں حالی اور اصلاح کی راہ عمل

پروفیسر ڈاکٹر انیس احمد

یہ بات کسی تعارف کی محتاج نہیں کہ تعلیم نہ صرف فرد کی ذاتی نشوونما، بلوغت اور رُشد وہدایت کے لیے بنیادی عنصر کی حیثیت رکھتی ہے، بلکہ کسی بھی معاشرے کی ترقی اور عروج وزوال میں بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔ اسلام کے انسانیت پر احسانات میں سے ایک احسان یہ ہے کہ اس نے تصورِ دین، تصورِ انسان، تصورِ فلاح اور تصورِ کامیابی کو اکتسابِ علم کے ساتھ وابستہ کرتے ہوئے نہ صرف حضرت آدمؑ کو اشیاء کے علم بلکہ الہامی ہدایت سے نوازا۔ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم پر اوّلین وحی جن پانچ آیات کی شکل میں نازل کی گئی، اس کا آغاز بھی پڑھنے اور ربِّ کریم کے اسماء کے ساتھ کیا گیا کہ دین کی بنیاد علم وحکمت پر ہے، توہم و قیاس پر نہیں۔ اس پہلو سے اسلام نے سابقہ مذاہبِ عالم میں تحریف اور اضافہ کیے جانے والے اساطیر الاولین (Mythologies) کی جگہ علم الیقین، وحی الٰہی اور علم نافع کی بنیاد پر انسانی زندگی، معاشرہ اور معیشت و سیاست کی تعمیر کو متعارف کرایا۔

لیکن تکلیف دہ حد تک پریشانی کا باعث یہ حقیقت ہے کہ مسلم ممالک جنھیں اپنے دین کی تعلیمات کی بنا پر علمی و تحقیقی میدان میں قیادت کا فریضہ انجام دینا چاہیے تھا، علمی ترقی اور ایجادات میں آج سب سے کم تر شمار کیے جاتے ہیں۔ وہی اہل ایمان جنھوں نے کل سائنسی میدان میں ۱۰۰۱/ایجادات کیں اور ان کی علمی قیادت سے دنیا کی دوسری اقوام نے استفادہ کیا، آج وہ مانگے کے اُجالے سے اپنی گزر اوقات کر رہے ہیں۔ اس تناظر میں پاکستان جسے مسلم دنیا میں علم و تحقیق میں سب سے آگے ہونا چاہیے تھا مسلسل ترقیٔ معکوس کا شکار ہے۔

ابتدائی تعلیم

ابتدائی جماعتوں سے لے کر اعلیٰ تعلیم تک جو صورتِ حال اعداد و شمار پیش کرتے ہیں وہ قومی سطح پر فوری توجہ کا مطالبہ کرتی ہے۔ ۲۰۲۳ء میں طبع کردہ National Achievement Test جسے کیمبرج یونی ورسٹی کے تعاون سے تیار کیا گیا کے مطابق پانچویں جماعت کے طلبہ و طالبات میں اردو، سندھی اور ریاضی کی تعلیم تمام صوبوں میں تنزل کا شکار ہے (ملاحظہ ہو ڈاکٹر عائشہ رزاق، old insights, New data دی نیوز ۱۸ مارچ ۲۰۲۴ء)۔ نہ صرف یہ بلکہ گریڈ ۴ اور گریڈ ۸ کے طلبہ میں بھی انگریزی، سندھی، اردو اور ریاضی میں صورتِ حال بہت کمزور پائی گئی ہے۔ اس کمزوری کا ایک حل ملک کے بعض ماہرینِ تعلیم یہ پیش کرتے ہیں کہ ابتدائی تعلیم مادری زبان میں دی جائے۔ یہ اصلاً ایک درآمد شدہ فکر پر مبنی تصور ہے اور ملک کو عملاً پانچ لسانی اکائیوں میں تقسیم کرنے کے گھناؤنے عمل کو خوب صورت بیانیہ کی شکل میں پیش کرتا ہے۔

پاکستان کے تناظر میں شمالی علاقہ ہو یا جنوبی یا وسطی، گاؤں ہو یا شہر، جو زبان دن رات بازاروں میں، گھروں اور کاروبار میں استعمال کی جاتی ہے وہ اردو ہے۔ اردو زبان تمام صوبوں، آزاد کشمیر اور شمالی علاقہ جات کو جوڑنے والی زبان ہے۔ یہ سائنسی و دیگر علمی تصورات کی وضاحت کرنے کی پوری صلاحیت رکھتی ہے۔ اسی بنا پر قائداعظمؒ نے اسے قومی زبان قرار دیا تھا اور سپریم کورٹ آف پاکستان نے اسے دستور پاکستان کی روشنی میں سرکاری زبان قرار دیا۔ چنانچہ اصل علاج اُردو ذریعۂ تعلیم اور یکساں قومی نصابِ تعلیم ہے، جس کے بغیر ملک آگے نہیں بڑھ سکتا۔ اردو میں وہ تمام تر صلاحیت موجود ہے جو معاشرتی اور تطبیقی علوم (Applied Sciences) کی تدریس اور تحقیق کے لیے ضروری ہے۔ مزید یہ کہ دنیا کے بیش تر ممالک میں ان کی قومی زبان میں تعلیم دی جاتی ہے اور بچے تمام سائنسی تصورات کو اپنی قومی زبان میں سمجھتے ہیں۔ چنانچہ چین، فرانس، جرمنی، کوریا، پولینڈ، ہر جگہ ذریعۂ تعلیم قومی زبان ہے۔

اس جملۂ معترضہ سے قطع نظر ابتدائی تعلیم کو درپیش مشکلات میں بنیادی سہولیات کا موجود نہ ہونا، مثلاً سرکاری اسکولوں میں پینے کے صاف پانی کی قلت، کلاس روم میں بیٹھنے کے لیے ڈیسک اور گنجائش اور کرسیوں کی عدم موجودگی، بجلی اور گرمی کے موسم میں پنکھوں کی عدم موجودگی، کھیلنے کے

میدان اور کھیل کا سامان کا نہ ہونا، بچوں کے لیے مناسب تعداد میں بیت الخلا، اسکولوں کے اساتذہ کے لیے تعلیمی اصولوں اور جدید طریقوں کے استعمال کی تربیت کا نہ ہونا، نیز اساتذہ میں تعلیم و تعلّم سے وابستگی کا فقدان تعلیم کے چند بنیادی مسائل ہیں۔ ایک استاد جو تعلیم کے فن سے آگاہ نہ ہو اور نہ وہ اس منصب کو اپنی اولین پسند کے طور پر اختیار کرے، بلکہ محض بے روزگاری سے بچنے کے لیے استاد بن جائے، وہ کس طرح طلبہ میں علم کی طلب اور تڑپ پیدا کرسکتا ہے؟ وہ حد سے حد ایک رٹا ہوا مواد کلاس میں دہرا سکتا ہے، جس کا کوئی تعلق تعلیم و تربیت کے ساتھ نہیں پایا جاتا۔

ویسے بھی تعلیم سے تربیت کے لازمی حصّہ کو، نامعلوم اسباب کی بنا پر اور گورے کی غلامی کے نتیجے میں Value Neutral تعلیم کے تصور (یعنی اخلاقی اقدار کو نظرانداز کرنا) کے زیرعنوان نصاب سے خارج کر کے تعلیم کو صرف skills، مہارتوں اور تکنیکی پہلوؤں تک محدود کر دیا گیا ہے۔ تعلیم اسکول کی ہو یا اعلیٰ یونی ورسٹی کی، کسی درس گاہ میں آدابِ زندگی، ایمانداری، پابندیٔ وقت، محنت، سچائی، ہمدردی اور بہت سی بنیادی صفات پر توجہ نہیں پائی جاتی۔ یہاں تک کہ اقبال کی 'لب پہ آتی ہے دعا بن کے تمنا میری' جس کو ہر صبح ترنم کے ساتھ بچوں سے پڑھوایا جاتا تھا، اس کو بھی اسکولوں سے خارج کر دیا گیا ہے۔ آج نہ حمد باری تعالیٰ ہے، نہ نعت رسولؐ، نہ اقبال کا ترانہ، صرف اور صرف 'مہارت' اور اعداد و شمار کی تسبیح ہے اور ان میں بھی مہارت کی خاص فکر نہیں ہے۔ تعلیم کے ابتدائی دور میں اقدارِ حیات اور بنیادی انسانی اخلاقیات سے لاعلمی بعد کے آنے والے ہر تعلیمی دور پر اثرانداز ہوگی اور یہ بنیادی کمی طلبہ و طالبات کی شخصیت کو نامکمل رکھے گی۔

اسکولوں میں تربیت یافتہ یعنی تعلیم کے شعبے میں سند رکھنے والے اساتذہ کا تناسب صفر کے برابر ہے کیونکہ جب سے تعلیم کو وفاق کی جگہ صوبائی شعبہ بنایا گیا ہے، اسکولوں میں ملازمت سیاسی پارٹی یا رشوت کی بنیاد پر دینا عام ہوگیا ہے اور تعلیم و تعلم کو عموماً بے روزگاروں کو مصروف رکھنے کے لیے استعمال کیا جارہا ہے، جس کا کوئی تعلق استاد کی استعداد اور تعلیمی صلاحیت سے نہیں ہے۔ یہ صورتِ حال ملک کے تعلیمی مستقبل کے لیے سخت تشویش ناک ہے اور بلا تاخیر تمام صوبوں میں اساتذہ کی تطہیر اور پیشہ ورانہ تربیت کا بندوبست کرنے کی فوری ضرورت ہے۔ صرف ان اساتذہ کو اسکولوں میں تعینات کرنا چاہیے جو اپنی پسند، رجحان، مقصد حیات اور تعلیمی سند کی بنیاد پر استاد بننا چاہتے ہوں۔

اسکولوں کے معیار کے بلند کرنے میں اساتذہ کے ساتھ والدین بھی اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ اگر 'والدین اور اساتذہ کی ملاقات' (پیرنٹس، ٹیچرز میٹنگز) کا صحیح استعمال کیا جائے، والدین کو ان کے بچوں کی تعلیمی کارکردگی سے وقت پر آگاہ کرنے کے ساتھ ان کی عادات پر توجہ دینے اور انھیں پابندیٔ وقت کے ساتھ گھر پر دیئے گئے کام کو کرنے کی عادت ڈالی جائے تو تعلیمی معیار آہستہ آہستہ بہتر ہوسکتا ہے۔ دوسری جانب اس بات کی بھی ضرورت ہے کہ والدین اپنے بچے کی تعلیمی کارکردگی کا دلچسپی کے ساتھ جائزہ لیں اور اسکول سے مطالبہ کریں کہ طالب علم میں جو کمزوری اور خامی ہے اس کو دُور کرنے کے لیے اساتذہ خصوصی وقت دے کر بچوں میں علمی ذوق کو ابھاریں۔

حکومت کی جانب سے مرکزی اور صوبائی سطح پر کل قومی جی ڈی پی کا ۲۰۲۴ء میں ۱ء۷۷ فی صد تعلیم کے لیے مختص کیا گیا (Pak Economic Survey 2023-24)۔ اگر مقابلہ کیا جائے تو ایشیا ہی کے دوسرے ممالک میں تعلیم پر جی ڈی پی کا کم از کم چار سے پانچ فی صد مختص کیا جاتا ہے اور اس کا مقابلہ خلیج کے ممالک سے کیا جائے تو وہاں پر ۷ سے ۹ فی صد تعلیم کے فروغ پر خرچ کیا جارہا ہے۔

ملک کی اعلیٰ تعلیم گاہوں میں ۲۳-۲۰۲۲ء میں کل داخلہ لینے والے طلبہ و طالبات کی تعداد ۲ء۶۰ ملین رہی ہے، جب کہ ملک کی آبادی ۲۴۰ ملین ہے اور تقریباً دو کروڑ طلبہ و طالبات جو عمر کے لحاظ سے تعلیم گاہ میں ہونے چاہیے تھے، اسکولوں سے باہر تعلیم سے محروم ہیں (پاک اکنامک سروے ۲۴-۲۰۲۳ء، ص ۱۸۳)۔

طلبہ و طالبات کی بڑی تعداد ۸۳ فی صد سرکاری جامعات میں اور ایک قلیل تعداد ۱۷ فی صد نجی یونی ورسٹیوں میں تعلیم حاصل کر رہی ہے (پاکستان ایجوکیشنل اسٹیٹسٹکس ۲۱-۲۰۲۰ء، ص ۱۵)۔

بنیادی تعلیمی شماریات کے لحاظ سے تعلیم کے فروغ پر جو رقم خرچ کی جارہی ہے، اس میں کم از کم پانچ گنا اضافے کی ضرورت ہے، تاکہ ابتدائی تعلیم سے لے کر اعلیٰ تعلیم تک صورتِ حال کو کچھ بہتر بنایا جائے اور اس سلسلے میں سکولوں اور کالجوں کے اساتذہ کی پیشہ ورانہ تربیت بنیادی اہمیت رکھتی ہے۔ حالیہ صورتِ حال میں جب ملک سے بڑی تعداد میں تعلیم یافتہ اور ہنرمند افراد روزگار کی تلاش میں ملک سے باہر جارہے ہیں، تعلیم و تربیت پر خرچ کو اولیت دینے کی ضرورت ہے۔

اعلیٰ تعلیم

مارچ ۲۰۲۴ء میں اسلام آباد میں ہونے والی وائس چانسلرز کمیٹی میں ملک کی بیش تر سرکاری اور نجی یونی ورسٹیوں کے وائس چانسلروں نے دو دن کی نشست میں شرکت کی اور تعلیمی، انتظامی، مالی اور پیشہ ورانہ اور تحقیق کے حوالے سے درپیش مسائل پر تبادلۂ خیال کیا۔ مختلف زاویوں سے کیے گئے جائزوں میں یہ بات ابھر کر سامنے آئی کہ 'ہائر ایجوکیشن کمیشن' (HEC) اور یونی ورسٹیوں کو یکساں طور پر حکومت کی طرف سے مطلوبہ وسائل کے حصول میں مشکلات کا سامنا ہے۔ ایچ ای سی کی گرانٹ میں مسلسل اضافے کی بجائے کمی کی جارہی ہے، جس کی بنیاد پر ایچ ای سی اپنے کردار کو کماحقہٗ ادا نہیں کرسکتی۔ بظاہر ایچ ای سی کو ۱۸-۲۰۱۷ء میں دی جانے والی مالی امداد ۶۳ بلین روپے تھی جو ۲۴-۲۰۲۳ء میں ۶۶ بلین کر دی گئی۔ لیکن اگر اسے روپے کی قدر میں کمی کے تناظر میں دیکھا جائے تو ۱۸-۲۰۱۷ء میں یہ امداد ۶۲۲ ملین ڈالر تھی جو ۲۴-۲۰۲۳ء میں ۲۳۸ ملین ڈالر رہ گئی۔ ایسی صورت حال میں ایچ ای سی سے یہ توقع رکھنا کہ وہ اعلیٰ تعلیم کے لیے وظائف، تربیتی کورس، یونی ورسٹیوں کے اساتذہ کو تحقیقی کام کے لیے گرانٹ دینے میں کوئی اضافہ کرسکے گی، اُمیدِ موہوم ہی کہی جاسکتی ہے۔

ملک میں اس وقت ۱۵۴ سرکاری یونی ورسٹیاں ہیں اور تقریباً ۱۰۹ سے زائد نجی یونی ورسٹیاں ہیں۔ سرکاری یونی ورسٹیاں اوسطاً فی طالب علم تعلیم فراہم کرنے میں ۵۰ ہزار ۹ سو روپے سالانہ خرچ کرتی ہیں، سرکاری یونی ورسٹیوں میں فیس اور طالب علم پر خرچ ہونے والی رقم میں کوئی تناسب نہیں ہے کیوں کہ ان میں فیس کو کم رکھا گیا ہے۔ ملک کی معاشی صورت حال کے پیش نظر فی طالب علم خرچ میں تو اضافہ ہوا ہے لیکن فیس کم ہونے اور حکومتی امداد میں غیر معمولی تخفیف کی بنا پر یونی ورسٹیوں کے لیے معیاری اساتذہ کو رکھنا اور سہولیات فراہم کرنا ناممکن بنا دیا گیا ہے۔ ایک اندازے کے مطابق ۲۴-۲۰۲۳ء میں یہ خرچ تقریباً پانچ گنا ہوکر فی کس ۲ لاکھ ۵۰ ہزار روپے تک پہنچ گیا ہے۔ ان حالات میں معیاری تعلیم فراہم کرنا ایک کرشمے سے کم نہیں ہے۔

ہر باشعور فرد اس بات سے آگاہ ہے کہ معیاری تعلیم کے لیے ضروری ہے کہ نہ صرف یونی ورسٹیوں میں اعلیٰ تعلیم یافتہ اور تخصص رکھنے والے اساتذہ کے ساتھ جدید ترین علم سے مزین

کتب خانے اور برقی ذرائع سے قابلِ حصول علمی مصادر کا ہونا ضروری ہے۔ گوہائر ایجوکیشن کمیشن، سرکاری یونی ورسٹیوں کو ترجیحاً اور نجی تعلیم گاہوں میں سے کچھ کو کتب اور رسائل تک رسائی دیتا ہے، لیکن اس میں مزید اضافہ کی ضرورت ہے۔ جو نجی یونی ورسٹیاں ایچ ای سی کے معیار پر اچھا تحقیقی کام کر رہی ہوں، انھیں تحقیقی کام کے لیے مالی و دیگر وسائل فراہم کیے جائیں کیوں کہ یہ بھی قومی ترقی میں یکساں اہمیت رکھتی ہیں۔ آبادی کے تناسب سے یونی ورسٹیوں کی تعداد میں اضافہ ہو اور یونی ورسٹیوں کے پاس وہ تمام سہولیات ہوں جن میں تحقیق کے جدید ترین ذرائع کو استعمال کیا جاسکے۔ ظاہر ہے کہ یہ سارے کام مالی وسائل کے بغیر نہیں ہو سکتے اور جب اعلیٰ تعلیم پر ہونے والے اخراجات کو مسلسل کم کیا جا رہا ہو تو کیا یہ خواب پورا ہو سکے گا؟

سرکاری یونی ورسٹیوں میں مالی وسائل میں تخفیف کے ساتھ مناسب افرادِ کار کی فراہمی ایک بہت بڑا مسئلہ ہے۔ ایک اطلاع کے مطابق ملک میں ۱۵۴ سرکاری یونی ورسٹیوں میں سے ۵۱ یونی ورسٹیاں بغیر کسی ہمہ وقت وائس چانسلر کے کام کر رہی ہیں، جب کہ بعض یونی ورسٹیوں میں اعلیٰ ترین عہدہ پر ایسے افراد کو بھی مقرر کر دیا گیا ہے کہ جو بنیادی معیار پر بھی پورا نہیں اُترتے۔ تعلیم گاہوں میں علمی ماحول کی جگہ تجارتی ماحول پروان چڑھ رہا ہے اور حصولِ علم کی جگہ حصولِ روزگار طلبہ اور اساتذہ کی توجہ کا مرکز بن گیا ہے۔

معیاری تحقیق

اس وقت تعلیم کے مستحق سوا دو کروڑ بچے سکول کی تعلیم سے محروم ہیں۔ ایسی صورتِ حال میں بغیر کسی مناسب منصوبہ بندی کے سیاسی مفاد کے لیے یونی ورسٹیوں کے قیام کا اعلان کرنا مسئلے کا حل نہیں ہوسکتا، نہ صوبائی حکومتوں کی جانب سے تربیت یافتہ اور تعلیم و تربیت کو مقصدِ حیات بنانے والے اساتذہ کے بغیر چند عمارتوں پر اسکول کا نام لکھ دینا اس کا حل ہوسکتا ہے۔ اعلیٰ تعلیمی اداروں میں فروغِ تحقیق کے لیے گذشتہ تقریباً ایک عشرے میں ایچ ای سی کی جانب سے صرف ان مقالات کی طباعت کو اہمیت دی گئی جو impact factor رکھنے والے رسائل میں شائع ہوں۔ پھر یہ کہا گیا کہ وہ مقالات ہوں جن کو دیگر علمی تحقیقات میں cite کیا جا رہا ہو اور جو Q-1 اور Q-2 کے درجے میں آتے ہوں۔ چنانچہ citation index کو معیار بنایا گیا۔ ان رسائل میں مقالات کی

طباعت کو انفرادی اور یونی ورسٹیوں کی درجہ بندی میں شمار کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔لیکن ایچ ای سی کی فراہم کردہ ہدایات کی روشنی میں بھی جو مقالات Q-1اور Q-2 رسائل میں طبع ہوئے ان میں بھی اکثریت ان موضوعات کی ہے جو نظری مسائل سے بحث کرتے ہیں اور جن کا عملاً کوئی فائدہ پاکستان میں صنعت اور زراعت کو نہیں پہنچتا ہے۔ضرورت اس بات کی ہے کہ تطبیقی علوم ہوں یا معاشرتی علوم، دونوں میں پاکستان کے معاشرتی، معاشی، سیاسی، معیشت، ریاستی، قانونی اور انسانی حقوق، اسلامی ثقافت، مغربی اسلاموفوبیا کی یلغار، لادینیت اور دہریت کے بڑھتے ہوئے رجحانات اور فحاشی وعریانی، مغربی فکر وثقافت کی اندھی تقلید پر، نظریۂ پاکستان کی روشنی میں معاشرتی ومعاشی، اخلاقی مسائل کا تجزیہ اور حل تجویز کیے جائیں۔ایسے ہی سوشل میڈیا کا کردار، مصنوعی ذہانت (AI) سے پیدا ہونے والے مقالات میں ملک میں درپیش نفسیاتی، علمی، اخلاقی، معاشرتی اور ثقافتی مسائل پر خصوصاً Digitalization اور مصنوعی ذہانت (آے ائی) کے زیر اثر پیدا ہونے والے مسائل پر توجہ دی جائے۔

تحقیقی اخلاقیات

تحقیقی اخلاقیات کے حوالے سے آن لائن مقالات کی سہولت نے محققین کو دوسروں کی تحقیق کو کتر و بیونت کر کے اپنے نام سے طبع کرنے اور ثانوی مواد (secondary data) پر مبنی تحقیق کو اختیار کرنے کی سہولت فراہم کر دی ہے۔ہوسکتا ہے کہ اس طرح بعض شعبوں میں تحقیقی مواد تک رسائی میں اضافہ ہو جائے اور ہم یہ سمجھیں کہ ہمارے ہاں بہت تحقیق ہو رہی ہے، لیکن ایسی تحقیق کا نہ کوئی وزن ہے، نہ وہ معاشرتی، معاشی اور اخلاقی ترقی پر کوئی اثر ڈال سکتی ہے۔

اس دور میں جس تحقیق کی ضرورت ہے اسے جزوی علم کی جگہ کلی اور تقابلی تحقیق کہا جا سکتا ہے۔ Inter Disciplinary Research عموماً کسی مسئلے کا زیادہ جامع تجزیہ اور ہمہ گیر حل تجویز کرسکتی ہے۔اس وقت صورتِ حال یہ ہے کہ جس شخص نے معاشیات میں یا کیمسٹری میں سند لی ہے، اس کے پاس قانون اور اخلاقی، معاشرتی اور ثقافتی مسائل اور اس کے اپنے شعبہ سے ان کے تعلق کے بارے میں کوئی مستند معلومات نہیں ہوتیں۔علم ہمہ گیریت کی جگہ چند زاویوں تک محدود ہوگیا ہے اور یہ ہماری تحقیق کا ایک بہت کمزور پہلو ہے۔

ایک عام عذر یہ پیش کیا جاتا ہے کہ یونی ورسٹیوں اور ایچ ای سی میں تحقیق کے لیے مالی امداد

میں کنجوسی سے کام لیا جاتا ہے۔اس لیے فنڈز کی کمی کے سبب تحقیق آگے نہیں بڑھ رہی۔ یہ ایک عذر لنگ ہے۔ جو شخص تحقیق کرنا چاہتا ہو اس کے لیے سو راستے تلاش کرنا مشکل کام نہیں ہے۔ نہ صرف ملک بلکہ ملک کے باہر ایسے ادارے موجود ہیں جو انڈسٹری کے لیے مفید تحقیق کو ہاتھوں ہاتھ لیتے ہیں۔شرط صرف یہ ہے کہ محقق اپنے شعبہ کا ماہر ہو، محنت کرنا جانتا ہو اور محنت کرنے پر آمادہ ہو اور تحقیق کا مقصد محض نکتہ سنجی نہ ہو بلکہ وہ واقعی عملی مسائل کے قابلِ عمل حل تجویز کرے۔

تحقیقی ثقافت کا احیا اس وقت ممکن ہے جب محقق میں اخلاص اور ایمان پایا جاتا ہو۔ وہ اللہ کے بندوں کے مسائل کے حل کے لیے اپنی صلاحیت کو، وقت کو، وسائل کو لگانا چاہتا ہو اور علمی سرقہ کرنے (Cut Paste) کو حرام سمجھتا ہو۔حقیقی علمی ترقی کے لیے جامعات کو ایسے افراد کی ہمت افزائی کرنی ہوگی اور جامعات میں علمی فضا کو پروان چڑھانا ہوگا۔

سرکاری یونی ورسٹیوں کو حکومتی امداد پر انحصار کی جگہ خود انحصاری کو پروان چڑھانا ہوگا۔ ایسے ہی نجی جامعات کو اپنی مدد آپ کے اصول پر عمل کرنا ہوگا۔تعلیم و تحقیق ہر برسر اقتدار سیاسی جماعتوں کی ترجیحات میں سب سے کم اہمیت کی حامل رہی ہے اور مستقبل قریب میں اس رجحان میں کمی ہوتی نظر نہیں آرہی۔ اس لیے یونی ورسٹیوں کو خود انحصاری کی پالیسی کو اختیار کرنا ہوگا۔ اس سلسلے میں Alumni یا سابق طلبہ و طالبات کو جامعات کے معاملات میں سرگرم کردار کے لیے آمادہ کرنا ہوگا۔ جامعات کو اپنی تحقیق کو تطبیقی بنانا ہوگا اور ملکی صنعت کی ضروریات کے پیش نظر صنعتی مسائل و مشکلات کا ماہرانہ حل نہ صرف تلاش کرنا ہوگا بلکہ اس کو patent کرانے کے بعد صنعت کاروں کو فراہم کرنا ہوگا۔

یونی ورسٹیوں کو درپیش چیلنج

عالمی سطح پر منعقد ہونے والی یونی ورسٹی وائس چانسلروں کی کانفرنسوں میں عموماً اس بات پر زور دیا جاتا ہے کہ یونی ورسٹی اور صنعتوں کے درمیان قریبی تعلق پیدا کیا جائے تاکہ یونی ورسٹیوں کو مالی اور صنعت کاروں کو ان کے مسائل کا پیشہ ورانہ حل فراہم ہو سکے۔تاہم، یہاں یہ بات یاد رہے کہ پاکستان کے حوالے سے ہمارا مقصد دیگر یونی ورسٹیوں کی طرح صرف علم کے نام پر معاشی سرگرمی نہ ہو بلکہ علمی اور سائنسی تحقیق کا ہدف 'علم النافع' کا پیدا کرنا اور اس کے ذریعے اللہ کی مخلوق کے

جائز معاشی ومعاشرتی اور سیاسی مسائل کا حل پیش کرنا ہو۔ اس کے ساتھ یونی ورسٹیاں اس معاشی ترقی کے نعرے کے زیر اثر محض مادی ترقی کے حصول تک محدود نہ ہو جائیں بلکہ وہ اللہ کے بندوں کی جامع تربیتِ اخلاق اور انسان کے مقصدِ وجود کے شعور اور معاشرتی حل، عدل کے قیام میں مددگار ہوں۔ جامعات میں تعلیم وتحقیق میں مصروف نوجوانوں میں علم النافع کے تصور کو واضح کرنا ہوگا تاکہ ان کی تحقیقی جستجو عبادت کے دائرے میں داخل ہو سکے اور خدمت خلق کے اسلامی تصور پر عمل کرتے ہوئے وہ معاشرتی مسائل کے حل میں اپنا کردار ادا کرسکیں۔

علمی تحقیق کے جدید تناظر میں 'کھلے ماخذ' (open source) کورسز اور 'فاصلاتی تعلیم' (Online learning) میں مصنوعی ذہانت کا استعمال ایک ضرورت بن گیا ہے اور اس کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اس کے اخلاقی مضمرات روزانہ خود مغربی صحافت اور تحقیقی ادب میں سامنے آرہے ہیں۔ گذشتہ ایک سال کے عرصہ میں شاید ہی کوئی ہفتہ ایسا گزرا ہو جس میں دومرتبہ صرف نیویارک ٹائمز جیسے اخبار میں مصنوعی ذہانت کے مثبت استعمال کے ساتھ اس کے منفی اور غیراخلاقی استعمال پر امریکی جامعات سے وابستہ افراد کی تنقید نہ آرہی ہو۔ حقیقتاً مصنوعی ذہانت کو ۲۱ویں صدی کا دجال بھی تصور کیا جا سکتا ہے۔ یہ انسان کی وہ تخلیقی کوشش ہے جس کے بعد وہ خود اپنے آپ کو حقیقی خالق کے آس پاس تصور کرنے لگا ہے اور اس کا نفس اسے اپنی ذہانت پر تکبر اور گھمنڈ پر میں مبتلا کرسکتا ہے۔ اس کے باوجود اس کے ذریعے معلومات کا چند لمحات میں انسانی خواہش کے مطابق مرتب ہوجانا اس کا کارنامہ ہے اور تعلیم میں اس کا استعمال کیا جانا مفید نتائج بھی پیدا کرسکتا ہے۔ چیٹ جی پی ٹی اور دیگر ایجادات نے علم کی تخلیق کے نئے افق ہمارے سامنے رکھ دیے ہیں۔ انھیں اخلاقی حدود میں استعمال کرنا آزمائش سے کم نہیں۔

اعلیٰ تعلیم اور باصلاحیت افراد کی بیرونِ ملک منتقلی

ملک سے اعلیٰ تعلیم یافتہ خصوصاً طب، آئی ٹی اور فارمیسی میں باصلاحیت افراد کا بیرونِ ملک روزگار کے لیے کثرت سے جانا انسانی سرمائے کے لیے ایک ناقابلِ تلافی نقصان کی حیثیت رکھتا ہے۔ اگر ملک کے سوچنے سمجھنے والے اور تطبیقی علوم سے وابستہ افراد ملک کی معاشی، سیاسی صورتِ حال سے مایوس ہوکر ملک کو چھوڑ کر دوسری دنیاؤں میں اپنے لیے جگہ تلاش کریں تو ملک کی معاشی اور

سیاسی صورتِ حال کو بہتر کون بنائے گا؟ لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جس رفتار کے ساتھ پاکستان کی معیشت کو ملک کی انتظامیہ نے خودتباہی کی طرف دھکیلا ہے اس کے پیش نظر کچھ افراد یہ سمجھنے پر مجبور ہوئے ہیں کہ یہاں پر ایمانداری کے ساتھ کاروبار کرنا آسان کام نہیں ہے۔ ملک کی معاشی صورت حال کا سنبھالنا صرف اس وقت ممکن ہوسکتا ہے جب ملکی سیاسی قیادت، انتظامیہ اور عدلیہ تینوں کی ترجیح ان کی اپنی ذات کی جگہ ملکی مفاد ہو اور اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کے احساس کے ساتھ وہ اپنا احتساب کرتے ہوئے اداروں کے وقار کو بحال کریں اور ملک میں دستور کی بالادستی اور جمہوری روایات کو فروغ دیا جائے۔

آمرانہ نظام کسی بھی دور میں ترقی اور خوشحالی کا ضامن نہیں رہا اور نہ پاکستان میں یہ خوشحالی لاسکتا ہے۔ بیورو آف امیگریشن اور بیرون ملک روزگار کے شعبہ کے ۲۰۲۳ء کی رپورٹ کے مطابق ۲۰۲۳ء میں ۸ لاکھ ۶۲ ہزار سے زائد پاکستانی ملک چھوڑ کر تلاشِ روزگار کے لیے باہر گئے ہیں۔ یہ ایک بڑی تعداد ہے، جس پر قومی خزانے سے تعلیم اور دیگر سہولیات فراہم کرنے کے لیے وسائل خرچ ہوئے ہیں۔ یہ پہلو بھی غور طلب ہے کہ ان کا اپنے خاندان کو چھوڑ کر تلاشِ روزگار میں بیرون ملک جانا معاشرتی، ثقافتی اور اخلاقی، ہر حیثیت سے بے شمار خطرات کو دعوت دے سکتا ہے۔ مشرق وسطیٰ میں پاکستان سے جانے والے بڑی تعداد میں مزدور اور ہنرمند افراد کے خاندان سے دُور ہونے پر جو تحقیقات ہوئی ہیں، وہ ظاہر کرتی ہیں کہ اس کے نتیجے میں چاہے ملک کے باہر سے کوئی رقم ان کے خاندان میں آئی ہو لیکن اس کی جو معاشرتی قیمت ادا کی گئی وہ اس رقم کے مقابلے میں بہت زیادہ رہی ہے۔

یہ کہنا کہ بیرون ملک پاکستانی پاکستان کی معیشت کو مالی امداد فراہم کرتے ہیں، اعداد و شمار کی حد تک متاثر کرسکتا ہے لیکن اس کے دوررس نتائج ملکی معاشرت اور ثقافت کے لیے خوش کن نہیں کہے جاسکتے۔ مزید یہ کہ جو صورتِ حال ۱۰ سال پہلے تھی وہ اب تبدیل ہو چکی ہے اور وہ ممالک جہاں مستری، ڈرائیور، تعمیرات کے کام میں مزدوری کرنے والے اور دیگر کم آمدنی والے شعبوں میں جانے والے افراد کی مانگ تھی، وہ اب آہستہ آہستہ کم ہوتی جارہی ہے۔ ٹکنالوجی کا استعمال، خلیجی ممالک میں خود اپنی مقامی آبادی کو ان کاموں میں لگانا ان کی ایک ترجیح بن گیا ہے۔

اگر آیندہ بیرون ملک کام کرنے والوں کی طلب ہوگی تو صرف ان شعبوں میں جہاں آئی ٹی اور وہ skills انھیں آتی ہوں، جو ان ممالک میں ابھی موجود نہیں ہیں۔ اس تناظر میں پاکستان میں پہلے مہارتوں (skills) کا تعین اور پھر ان کی تعلیم و تربیت کے ادارے قائم کرنے ہوں گے، تاکہ یہ باصلاحیت افراد باہر جا کر باعزت طور پر کام کر سکیں۔

اس وقت ملک میں صرف ایک Skills یونی ورسٹی ہے، جس کا مقصد مہارتوں میں تربیت دینا ہے۔ جب تک ہر یونی ورسٹی اپنے کاموں میں بطور ایک ترجیح اسے شامل نہیں کرے گی، ہم اعلیٰ مہارتوں والے افراد نہ ملک میں اور نہ ملک کے باہر فراہم کر سکتے ہیں۔ جن شعبوں میں خود Skilled افراد کی ضرورت ہے ان کے ماہرین اگر ملک کے باہر کثرت سے جائیں گے تو ملک میں غربت اور بے روزگاری کے ساتھ قانون کے احترام میں مزید کمی ہوگی۔ اس لیے خصوصاً طب اور آئی ٹی میں ملک گیر حکمت عملی وضع کرنے کی ضرورت ہے۔

اصلاح کی راہ عمل

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے انسان کو جن بے مثال صلاحیتوں سے نوازا ہے، ان کی موجودگی میں وہ انسان کو خود اپنے پیدا کردہ مسائل کے حل تلاش کرنے کی سمجھ بھی دیتا ہے۔ چنانچہ غلطیوں کو دوبارہ نہ کرنے کا عزم اور اپنے خالق اور مالک کی طرف رجوع کرتے ہوئے معروضی طور پر معاشی، معاشرتی اور اخلاقی مرض کی تشخیص کرنا اولین اور بنیادی ضرورت ہے۔ ہمارا مسئلہ نہ انسانی سرمایہ کی کمی ہے، نہ قدرتی وسائل کی قلت۔ اللہ تعالیٰ نے پاکستان کو بہترین موسم، معدنیات، زرخیز زمین، اعلیٰ صلاحیت کے افراد سے نوازا ہے لیکن ہم نے ۷۵ سال میں سوائے ناقدری، ناشکری اور نہ فرض شناسی کے کچھ اور نہیں کیا ہے۔ اصلاح کی راہ عمل بہت واضح ہے اور ہر پاکستانی سے خلوص، محنت، بے غرضی اور ایمان داری کا مطالبہ کرتی ہے۔ ہماری پہلی ترجیح ملک میں رائج نصابات پر اپنی قومی ضروریات کی بنیاد پر نظرثانی اور تبدیلی کی ضرورت ہے۔ ہم ۷۵ برس سے گورے کی میراث فرسودہ نظامِ تعلیم کو سنبھالے ہوئے ہیں اور نوجوان نسل کی نجات کو اسے اور ابوالہول کی تعلیم حاصل کر لینے کو سمجھ رہے ہیں، جب کہ یہ مغرب سے درآمد کردہ تصورِ تعلیم ہماری موروثی گورے کی غلامی میں مزید اضافہ اور استحکام پیدا کرتا ہے۔

اس کے ذریعے ہم غلامی میں مزید اضافہ کرتے چلے گئے ہیں۔ جو نظام برطانوی سامراج نے غلام پیدا کرنے کے لیے بنایا تھا، وہ قائد پیدا نہیں کرسکتا۔ اس سلسلے میں پورے ملک میں یکساں نظامِ تعلیم اور یکساں ذریعۂ تعلیم یعنی قومی زبان میں تدریس کو روشن مستقبل کی جانب صحیح پہلا قدم کہا جاسکتا ہے۔ نئے نظامِ تعلیم کا پاکستان کے نظریہ اور اسلامی تہذیب وثقافت سے ہم آہنگ ہونا شرطِ اوّل ہے۔

- ملک میں جہاں کہیں بھی انٹرنیٹ کی پہنچ ہے وہاں Online learning کو فروغ دینا ہوگا تاکہ جہاں سکونتی سہولیات موجود نہ ہوں وہاں Virtual class rooms کے ذریعے بنیادی تعلیم کو عام کیا جاسکے۔ اس میں تدریسی مواد کو پاکستان کی ضروریات کے لحاظ سے تخلیق کرنا ہوگا۔ درآمد شدہ تصورات ہمارے مسائل کو حل نہیں کرسکتے۔ ای لرننگ کے لیے اساتذہ کی تربیت ہر صوبے میں کرنی ہوگی تاکہ منصوبہ پر صحیح انداز سے عمل کیا جاسکے۔
- معاشی مسئلہ حل کرنے کے لیے ہمیں اپنے نظامِ تعلیم میں بنیادی تبدیلیاں کرنی ہوں گی۔ اس وقت ہمارے اسکول آف بزنس جو تعلیم دے رہے ہیں وہ اچھے مینجر تو بنا سکتی ہے، لیکن ایسے افراد جو اختراعی ذہن کے ساتھ ایسے کاروبار پیدا کرسکیں، جس میں وہ لوگوں کو روزگار فراہم کرسکیں نہ ہونے کے برابر ہیں۔ پڑوسی ممالک میں نوجوان آئی ٹی سروسز کے ذریعے کروڑوں ڈالر سے اپنی ملکی معیشت کو فائدہ پہنچا رہے ہیں۔ ہمارا نوجوان انسانی سرمایہ، صلاحیت اور ذہانت میں کسی سے کم نہیں ہے، صرف اس کی صحیح تربیت اور رہنمائی کی ضرورت ہے۔
- چین کی عالمی تجارت میں بڑے پیمانے پر اشیاء فراہم کرنے کی صلاحیت کی وجہ سے پاکستان میں صنعتوں کو مشکلات کا سامنا ہے اور اس وقت غالب رجحان آن لائن تجارت کا ہے، جس میں چین کی بڑی مقدار میں پیداوار کا مقابلہ نہ امریکا کرسکا، نہ ہم کرسکیں گے۔ اگر ہم اس تجارت کو مرکزی مقام دیں گے تو 'صنعتی پسپائی' (Deindustrialization) کا قومی نقصان ہوگا، جب کہ اگر ہم اپنے ملک کی زراعت کی ترقی پر توجہ دیں تو ہم غربت میں بہت کمی کرسکتے ہیں۔ زراعت میں تحقیق کی ضرورت ہے۔ مثلاً چاول کی کاشت پر جتنا

پانی ہم خرچ کرتے ہیں اس کا ۱۰/۱ خرچ کر کے دیگر ممالک ہم سے زیادہ پیداوار حاصل کر لیتے ہیں۔ضروری معلومات وتعلیم کے ذریعے ہم کو اپنی زمینوں کی زرخیزی میں اضافہ کرنا ہوگا اور بعض نام نہاد دوست ممالک کو لگان پر چارہ فراہم کرنے کی جگہ خود سبزیوں اور اجناس کی پیداوار میں اضافہ کے ذریعے نہ صرف ملک کی بلکہ دیگر مقامات کی ضروریات کو پورا کرنا ہوگا۔ساتھ ہی ان صنعتوں کو جو پاکستان کی پہچان ہیں،مثلاً کپڑے کی صنعت اس کو ترجیحی بنیاد پر سوت کی فراہمی اور سستی بجلی کی فراہمی پر توجہ دینی ہوگی۔ اس حوالے سے جامعات میں فنی تعلیم کو بھی فروغ دینا ہوگا۔

- یونی ورسٹیوں کو اپنے وسائل خود پیدا کرنے ہوں گے۔اس غرض سے صنعتوں اور زراعت سے متعلقہ افراد کے ساتھ رابطہ قائم کر کے ان کی مشکلات کے حل یونی ورسٹیوں کو پیش کرنے ہوں گے، تاکہ اس طرح ایک طرف جامعات ایجادات کو کمرشالائز کرسکیں اور ان کے استعمال سے قومی معیشت میں خودانحصاری پیدا ہو سکے۔
- تنہا حکومت پر بھروسا کی جگہ ہمیں معاشرہ کے باشعور افراد کے تعاون سے روایتی اسکول کی جگہ غیر رسمی ماحول میں مقامی مدد کی بنیاد پر تعلیم، صفائی اور صحت کی بہتری کے لیے درختوں کے زیرسایہ تعلیم گاہیں بنانی ہوں گی۔
- مساجد کا تدریسی اور تعلیمی استعمال بھی تعلیم کے فروغ میں غیر معمولی امداد فراہم کرسکتا ہے۔اسلامی روایت یہی تھی کہ نہ صرف قرآن کریم ،حدیث اور سیرت پاکؐ کی تعلیم بلکہ ریاضی، تاریخ اور طب کی تعلیم کے مراکز مساجد میں تھے۔شہر ہوں یا گاؤں، مساجد ہرجگہ موجود ہیں۔ ان کے مثبت استعمال سے بغیر کسی مالی بوجھ کے علم کی توسیع میں غیر معمولی کامیابی حاصل کی جاسکتی ہے۔

یونی ورسٹیوں میں تخصص

اس وقت بیش تر یونی ورسٹیوں میں عمومی تعلیم دی جارہی ہے۔تخصص اگر ہے تو صرف طب یا انجینئرنگ کی حد تک ہے۔ادویہ سازی اور دیگر شعبوں میں گہرائی میں جا کر نئے راستے تلاش کرنا ہماری ترجیح نہیں رہا ہے۔اس طرف توجہ کی ضرورت ہے۔Center of Excellence

(خصوصی مراکزِ دانش) یا خصوصی یونی ورسٹیوں کے لیے ضروری نہیں کہ نئی یونی ورسٹیاں ہی قائم کی جائیں۔ ہر صوبے میں کم از کم ایک یا دو موجودہ یونی ورسٹیوں کو کسی تخصص کے لیے منتخب کیا جاسکتا ہے۔ اس طرح نہ صرف ملک کے اندر بلکہ ملک کے باہر سے بھی طلبہ کو لاکر اعلیٰ تعلیم دی جاسکتی ہے، جو یونی ورسٹی کے لیے ایک اعزاز اور اس کے معاشی استحکام میں مددگار ہوگا۔ان چند تجاویز کو پیش کرتے وقت پیش نظر یہ اصول رہا ہے کہ ہمارے موجودہ وسائل ہی کی بنیاد پر ہم کیا کچھ کرسکتے ہیں۔ ان تجاویز کے لیے صرف سرکاری اور نجی جامعات کے ساتھ تبادلۂ خیالات کے ذریعے ان کی ترجیحات میں رد و بدل کرنا ہوگا جس کے قومی اور بین الاقوامی سطح پر بہت مفید نتائج نکل سکتے ہیں۔

تحریک اسلامی کے کرنے کے کام

- تحریک اسلامی کو تعلیمی منصوبہ بندی کے لیے موجودہ تعلیمی اداروں میں سے ایسے افراد کو تلاش کرنا ہوگا جو رضاکارانہ طور پر ایک متبادل نظام کا خاکہ، اس کے اہداف، اس کے لیے مطلوبہ اساتذہ اور اس کے لیے مطلوبہ علمی مواد جو نظریۂ پاکستان کو دل و دماغ میں رائج کرنے والا ہو تیار کریں، اور اسے فنی طور پر اتنا جامع بنائیں کہ یونی ورسٹیوں کے مطالعاتی بورڈ ان کتب کو اپنے ہاں استعمال کرنے کی خواہش کریں۔
- تحریک کے ہمدردوں کے اداروں میں سے چند اداروں کو بطور ایک ماڈل کے منتخب کر کے انھیں نئے نصاب تعلیم و تربیت کو رائج کر کے ایک عملی نمونہ پیش کرنا ہوگا۔ ملک کے باشعور افراد میں نئے نظام تعلیم کی آگاہی پیدا کرنے کے لیے ملک گیر مہم چلانی ہوگی اور تعلیم و تربیت، اخلاق و سیرت کو اپنی ترجیحات میں اوّلیت دینا ہوگی ۔ملک گیر سطح پر دانش وروں، صحافیوں اور فلاحی کام کرنے والے افراد کو تعلیمی اصلاح کی مہم میں شامل کرنا ہوگا، تاکہ یہ تبدیلی ایک معاشرتی ضرورت بن جائے۔
- قومی زبان میں مطلوبہ درسی کتب کی تیاری کو فنی بنیادوں پر کرنا ہوگا، تاکہ ان کا بلند معیار اور پیشہ ورانہ مہارت لوگوں کو انھیں قبول کرنے پر آمادہ کرے۔ اگر اس کام کو خلوصِ نیت اور اللہ تعالیٰ کی نصرت کی اُمید کے ساتھ شروع کر دیا جائے تو لوگ ساتھ آتے جائیں گے اور کارواں بنتا چلا جائے گا۔ کیونکہ یہ ملک کی ایک بنیادی ضرورت ہے۔

داعیانہ تڑپ اور لگن

محض دماغی طور پر ہی کسی شخص کا اس تحریک کو سمجھ لینا اور اس پر صرف عقلاً مطمئن ہو جانا، یہ اس راہ میں اقدام کے لیے صرف ایک ابتدائی قدم ہے، لیکن اتنے سے تاثر سے کام چل نہیں سکتا۔

یہاں تو اس کی ضرورت ہے کہ دل میں ایک آگ بھڑک اُٹھے۔ زیادہ نہیں تو کم از کم اتنی آگ تو شعلہ زن ہو جانی چاہیے، جتنی اپنے بچّے کو بیمار دیکھ کر ہو جایا کرتی ہے اور آپ کو کھینچ کر ڈاکٹر کے پاس لے جاتی ہے، یا اتنی جتنی گھر میں غلّہ نہ پا کر بھڑکتی ہے اور آدمی کو تگ و دو پر مجبور کر دیتی ہے اور چین سے نہیں بیٹھنے دیتی۔

سینوں میں وہ جذبہ ہونا چاہیے، جو ہر وقت آپ کو اپنے نصب العین کی دُھن میں لگائے رکھے، دل و دماغ کو یکسو کر دے اور توجہات کو اس کام پر ایسا مرکوز کر دے کہ اگر ذاتی یا خانگی یا دوسرے غیر متعلق معاملات کبھی آپ کی توجہ کو اپنی طرف کھینچیں بھی تو آپ ناگواری کے ساتھ ان کی طرف کھچیں۔ کوشش کیجیے کہ اپنی ذات کے لیے آپ قوت اور وقت کا کم سے کم حصّہ صَرف کریں اور آپ کی زیادہ سے زیادہ جدوجہد اپنے مقصدِ حیات کے لیے ہو۔

جب تک یہ دل کی لگن نہ ہوگی اور آپ ہمہ تن اپنے آپ کو اس کام میں جھونک نہ دیں گے، محض زبانی جمع خرچ سے کچھ نہ بنے گا۔

سیّد ابو الاعلیٰ مودودی

(خیر خواہ) (رُودادِ جماعت اسلامی، دوم)

تحریک اسلامی کا ہدف

ہم دراصل ایک ایسا گروہ تیار کرنا چاہتے ہیں جو ایک طرف زُہد وتقویٰ میں اصطلاحی زاہدوں اور متقیوں سے بڑھ کر ہو، اور دوسری طرف دُنیا کے انتظام کو چلانے کی قابلیت وصلاحیت بھی عام دُنیا داروں سے زیادہ اور بہتر رکھتا ہو۔

ہمارے نزدیک دُنیا کی تمام خرابیوں کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ لوگ 'نیکی' کے صحیح مفہوم سے نا آشنا ہونے کی بنا پر گوشہ گیر ہوکر بیٹھ جاتے ہیں اور پرہیزگاری اس کو سمجھتے ہیں کہ دُنیا کے معاملات ہی سے پرہیز کریں۔ اور دوسری طرف ساری دُنیا کے کاروبار بدوں کے ہاتھ میں آجاتے ہیں، جن کی زبان پر نیکی کا نام اگر کبھی آتا بھی ہے تو صرف خلقِ خدا کو دھوکا دینے کے لیے۔

اس خرابی کا علاج صرف یہی ہوسکتا ہے کہ صالحین کی ایک جماعت منظم کی جائے جو خداترس بھی ہو، راست باز اور دیانت دار بھی ہو، خدا کے پسندیدہ اخلاق اور اوصاف سے آراستہ بھی ہو، اور اس کے ساتھ دُنیا کے معاملات کو دُنیا داروں سے زیادہ اچھی طرح سمجھے اور خود دُنیا داری ہی میں اپنی مہارت وقابلیت سے ان کو شکست دے سکے۔ ہمارے نزدیک اس سے بڑا اور کوئی سیاسی کام نہیں ہوسکتا اور نہ اس سے زیادہ کامیاب سیاسی تحریک اور کوئی ہوسکتی ہے کہ ایسے صالح گروہ کو منظم کرلیا جائے۔

بداخلاق اور بے اصول لوگوں کے لیے دُنیا کی چراگاہ میں بس اسی وقت تک چرنے چگنے کی مہلت ہے جب تک ایسا گروہ تیار نہیں ہوجاتا، اور جب ایسا گروہ تیار ہوجائے گا آپ یقین رکھیے کہ نہ صرف آپ کے اس ملک کی بلکہ بتدریج ساری دُنیا کی سیاست اور معیشت اور مالیات اور علوم وآداب اور عدل وانصاف کی باگیں اسی گروہ کے ہاتھ آجائیں گی اور فسّاق وفجار کا چراغ ان کے آگے نہ جل سکے گا۔

یہ میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ انقلاب کس طرح رُونما ہوگا لیکن جتنا مجھے کل سورج کے طلوع ہونے کا یقین ہے، اتنا ہی مجھے اس بات کا بھی یقین ہے کہ یہ انقلاب بہرحال رُونما ہوکر رہے گا بشرطیکہ ہمیں صالحین کے ایسے گروہ کو منظم کرنے میں کامیابی حاصل ہوجائے۔

سیّد ابوالاعلیٰ مودودی

(عطیۂ اشتہار: صوفی بابا) (دعوتِ اسلامی اور اس کے مطالبات)